اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تعلیم کی زبوں حالی

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

جس زمانہ میں ہندوستان میں مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی، اسی زمانہ میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی اُبھر کر سامنے آیا۔ ۱۹۳۷ء میں صوبائی خود مختاری کے تحت ہندوستان کے مختلف صوبوں میں قومی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ سات بڑے صوبوں میں کانگریس پارٹی نے اپنی حکومتیں قائم کرلیں۔ حکمران بن جانے کے بعد کانگریس پارٹی نے جس مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ صرف کی وہ متحدہ قومیت کو فروغ دینا تھا۔ یعنی یہ کہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قومیں گھل مل کر ایک قوم بن جائیں۔ اس کے لیے ملک میں تعلیم کی دو اسکیمیں رائج کی گئیں۔ گاندھی کی واردھا اسکیم اور پنڈت شکلا کی ودیا مندر اسکیم۔ ہر طرح ہندو تہذیب کی اشاعت مطلوب تھی۔ اسکولوں میں سرسوتی دیوی (علم کی دیوی) کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہندو طور طریقے اور آداب سکھلائے جاتے تھے۔ توحید پرست مسلمان یہ پوجا پاٹ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ان جدید اسکیموں سے سخت برہم تھے۔

ان حالات کا جائزہ لینے کے لیے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے مسلمان ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک وسیع کمیٹی نواب کمال یار جنگ حیدر آبادی کی سربراہی میں تشکیل دی۔ کمیٹی نے ہندوستان میں خاص کر اقلیتوں کے صوبوں میں گھوم پھر کر مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے تعلیم کے مسئلہ کا جائزہ لیا۔ سنہ ۱۹۳۹ء سے سنہ ۱۹۴۲ء تک کمیٹی تندہی سے اپنا کام کرتی رہی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے کبھی اس سے پہلے کسی قومی مسئلہ کا اس سنجیدگی

کے ساتھ اور اس محنت و مشقت کے ساتھ جائزہ نہیں لیا۔ بہر کیف کمیٹی نے ۱۹۴۳ء میں اپنا کام مکمل کیا۔ اپنی تجاویز پیش کیں۔ اور رپورٹ شائع کر دی۔

اس وقت تک مسلم لیگ طاقت ور ہو چکی تھی۔ تحریکِ پاکستان نے زور پکڑ لیا تھا۔ یہ رپورٹ مسلم لیگ کے سامنے پیش ہوئی۔ اس نے اس پر غور کیا۔ اور مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں ملک کے نامور ماہرینِ تعلیم کو شریک کیا گیا۔ اس کے کنوینر ڈاکٹر افضال حسین قادری پروفیسر یونیورسٹی علی گڑھ مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں نے تعلیمی مسائل پر ایک کتابچہ تحریر فرمایا تھا

The Problems of Education

By Nawab Zada Liaquat Ali Khan

Ashraf Publication - Lahore - 1943

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مسلم لیگ کی تعلیمی کمیٹی نے کس قدر کام کیا۔ اور آیا اس کی رپورٹ شائع ہوئی یا نہیں۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بن گیا۔

تعلیم کا مسئلہ مسلم لیگی ارکان کے ذہنوں میں تازہ موجود تھا۔ اس لیے پاکستان کو بنے ابھی چار ماہ کی مدت بھی نہیں گزری تھی، ہندوستان میں مسلمانوں کی قتل و غارت گری جاری تھی۔ پاکستان میں حکومت کی مشینری پوری طرح جمنے نہیں پائی تھی کہ تعلیم کی اہمیت کو محسوس کر کے پاکستان کے پہلے وزیر عالی جناب فضل الرحمٰن نے "آل پاکستان تعلیمی کانفرنس" ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں بلائی، جس میں ملک کے تمام تعلیمی ماہرین اور تعلیم سے متعلق اعلیٰ عہدہ داران شریک ہوئے۔

اس کانفرنس نے بڑے واضح الفاظ میں تعلیم کے مقاصد کا اعلان کیا۔

"We have, now, before us the opportunity of reorienting our entire educational policy to correspondent closely with the needs of the times and to reflect the ideals for which Pakistan as an Islamic state stands. Page -3-

New Education in the Making of Pakistan

By Fazlur Rehman

Cassell & Company Hd.

London - 1953

"اب ہمارے سامنے پوری طرح مواقع موجود ہیں کہ ہم تعلیمی پالیسی کو زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے اور اسلامی نظریۂ حیات کا آئینہ دار بنائیں جس غرض کے لیے پاکستان کی اسلامی ریاست وجود میں آئی ہے"۔

ایڈوائزری بورڈ برائے تعلیم کے پہلے سالانہ جلسہ منعقدہ ۷، ۸ جون ۱۹۴۸ء میں فضل الرحمٰن نے سابق کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے تجویز پیش کی کہ پاکستان کے نظامِ تعلیم میں اسلام کی روح جاری ہونی چاہیے، خاص طور پر اس کی صفاتِ عالمگیر اخوت، انصاف اور رواداری کے اصولوں کے ساتھ، تعلیمی کانفرنس نے متفقہ طور پر اس تجویز کی حمایت کی بصورت قرارداد۔ جس کی توثیق تعلیمی مشاورتی بورڈ نے کی اور جس کو پھر مرکزی حکومت نے تسلیم کرلیا۔" ص - ۲۱ -

یہ اقدام نہایت صحیح رُخ پر تھا - مسلم لیگ کی سابق روایات اور تحریکِ پاکستان کے مطالبات کے عین مطابق تھا۔ اس کی جس قدر ستائش کی جائے وہ کم ہے۔

یہ صرف مقصدِ تعلیم کا اعلان ہوا - اب اس مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا چاہیئے تھی - نظامِ تعلیم میں اسلامی روح داخل کرنے کے لیے ایک اکیڈمی بنانی چاہیے تھی۔ جہاں ماہرینِ تعلیم اور دینی علماء جمع ہوکر وہ اسباب اور ذرائع سوچتے جن سے یہ مقصد حاصل ہوتا۔ متعدد کمیٹیاں تشکیل دی جاتیں جو اس مقصد کو تعلیم کے مختلف شعبوں اور شاخوں میں پیوست کرتیں - ایک مدت تک محنت اور لگن کے ساتھ کام کیا جاتا تب یہ اُمید کی جاسکتی تھی کہ پاکستان کا نظامِ تعلیم اسلامی اقدارِ حیات کے مطابق بن جائے گا۔

مگر قوم کی بدبختی، یہ عظیم الشان اقدام زبانی اقرار سے آگے نہ بڑھ سکا۔ وہی لارڈ میکالے کا برطانوی نظامِ تعلیم بعینہٖ پاکستان میں جاری اور ساری ہے۔ اس میں کسی قسم

کا تغیر نہیں ہوا - دینیات کی تعلیم میں بھی کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں ہوا - پاکستان بن جانے کے تیرہ سال بعد تک وہی برطانوی دور کا نصابِ تعلیم، وہی مضامین اور کتابیں پاکستان میں پڑھائی جاتی رہیں - انگلستان کی تاریخ پڑھائی جاتی تھی اور اسلامی تاریخ کو داخلہ نہیں ملا - البتہ تعلیم میں بتدریج وسعت پیدا ہوتی رہی - نئے نئے خطوں اور علاقوں میں اسکول اور کالج کھلتے رہے - مگر وہی برطانوی نظامِ تعلیم کا حلقہ وسیع ہوتا رہا -

پاکستان بن جانے کے بعد مسلم لیگ نے اور پاکستان کے مسلمانوں نے پاکستان کے مقاصد کے ساتھ بے وفائی کی -

۵ یہ اُمت گر گئی سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

پھر سیاسی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور فوجی حکومتوں کا آغاز ہوا - ایوب خاں نے فوجی حکومت قائم کی تو اُس نے ایک تعلیمی کمیشن بھی قائم کیا - اس کمیشن نے نئی تعلیمی اسکیم پیش کی جس پر عمل درآمد ہوا - یہ شریف کمیشن رپورٹ (۱۹۵۹ء) کہلاتی ہے -

اس رپورٹ کی تیاری میں :

— امریکی حکومت کے ماہرینِ تعلیم نے امداد کی -

فورڈ فاونڈیشن امریکہ کے ماہرینِ تعلیم نے امداد کی -

یونیسکو کے ماہرینِ تعلیم نے امداد کی -

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نظامِ تعلیم کی تیاری میں امریکہ، فورڈ فاونڈیشن اور یونیسکو سب دلچسپی لے رہے ہیں - بلکہ مشہورِ عوام تو یہ بات ہے کہ اس رپورٹ کی تسوید (ڈرافٹ) دو امریکی پروفیسروں نے کی ہے -

ع ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

مقصدِ تعلیم کے متعلق اس رپورٹ میں ارشاد ہوتا ہے -

We have assumed that the educational system of a nation should be consonant with the country's self image; that it should be in form and content

consistent with the hopes and aspirations the country hold for itself; indeed that it is the medium through which these aspirations come to be realised. Report p - 10

"ہم نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ کسی قوم کا نظام تعلیم اس ملک کے خود پسند تصورات کے مطابق ہو۔ یعنی صورت اور مغز دونوں میں ملک کی آرزوؤں اور تمناؤں کے مطابق ہو۔ بلکہ اس کو تو وہ ذریعہ بن جانا چاہیے جس کے توسط سے وہ تمنائیں بروئے کار آسکیں۔"

اس رپورٹ میں تعلیم کے مقصد کو نہایت خوبصورت الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ کسی بھی قوم کے نظامِ تعلیم پر صادق آسکتے ہیں۔ پہلی تعلیمی کانفرنس میں مقصدِ تعلیم کا جو واضح اور صریح اعلان کیا گیا تھا۔ یہاں اس کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ پہلے مقصد کی حد تک تو بات واضح تھی۔ اب وہ بھی باقی نہیں رہی۔ اس رپورٹ میں اسلامی تعلیم کے متعلق وہی بے نیازی کا عالم رہا۔ کوئی مثبت تجویز پیش نہیں کی گئی۔ البتہ دوسرے امور کے متعلق نئی نئی تجاویز پیش کی گئیں۔ نظامِ تعلیم کو امریکی لوازم بنانے کی پوری کوشش کی گئی۔

۱۹۷۸ء کے بعد صدر ضیاء الحق چین کے دورے پر گئے۔ وہاں انہوں نے نظریاتی تعلیم کی اثر انگیزی کو بچشمِ سر دیکھا۔ نظریاتی تعلیم کی اہمیت کو محسوس کیا۔ انہوں نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ مطالعۂ اسلام اور مطالعۂ پاکستان کو کالجوں کے نصاب میں شامل کرایا۔ اس طرح ۳۱ سال گذر جانے کے بعد پاکستان کے مقصدِ وجود، نظریہ پاکستان کی تعلیم کو نصابِ تعلیم میں داخلہ کی اجازت ملی۔ اس طرح اوّل دن سے پاکستان میں اسلامی اور نظریاتی تعلیم کی ناقدری ہوتی رہی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے انفرادی تشخص اور تہذیبی تشخص برقرار رکھنے میں تین خارجی عوامل کی کمک حاصل رہی ہے۔

۱۔ حکمرانی پر انگریز کا فائز ہونا:

انگریز کی موجودگی مسلمانوں کو ہر دم یہ تاریخی حقیقت یاد دلاتی رہتی تھی کہ کبھی یہ ملک اُن کی حکمرانی میں تھا۔ انگریز نے ان سے حکومت چھینی ہے، لاشعور میں یہ بات موجود رہتی تھی۔ نظریہ ضرورت کے تحت وہ انگریزی حکومت سے تعاون کر رہے تھے، مگر وہ انگریزی حکومت کو انشراح صدر کے ساتھ قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اعلیٰ طبقہ میں کسی قدر مغربی تہذیب نے نفوذ کیا تھا ورنہ ادنیٰ طبقہ اور متوسط طبقہ بدستور اپنی تہذیب پر قائم تھا اور نازاں تھا کہ وہ مغربی تہذیب سے بہت کم متاثر ہوئے۔

۲۔ مسلمانوں کا اقلیت میں ہونا:

تمام ہندوستانی انگریز کے محکوم تھے۔ مگر محکوموں میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی۔ اقلیت کو اکثریت سے اندیشے ہوتے تھے۔ اس لیے انفرادی تشخص کے برقرار رکھنے کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے بہت اہم تھا۔ غیر شعوری طور پر ایک ایک مسلمان اس اندیشے کے تحت معاملہ کرتا تھا۔ اور ہر قیمت پر اپنے اسلامی تشخص کا تحفظ کرتا تھا۔ اس طرح انگریزی اور ہندو تہذیبی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے کوشاں رہتا تھا۔

۳۔ ہندو کی ہمسائیگی:

ہندو وہ قوم تھی جو صدیوں مسلمانوں کی محکوم رہی تھی۔ مگر اب وہ انگریزی دور میں ہر طرح مسلمانوں کو زیر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہر میدان میں مسلمان کے ساتھ اس کا مقابلہ تھا۔ ہندو کے غالب آجانے کے نتائج کو مسلمان بخوبی سمجھتا تھا۔ اس لیے یہاں بھی اُس کو اسلامی تشخص محفوظ رکھنے کی خواہش متحرک رکھتی تھی۔ مقابلہ کا تصوّر اُس کے قوائے عمل کو مہمیز دیتا تھا۔ ان تین عوامل کے باعث مسلمان بیک وقت انگریز اور ہندو کے خلاف اپنا قومی اور ملّی وجود برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اس میں تساہل نہیں برتتے تھے۔

(باقی بر صفحہ ۴۹)